دار الافتاء — محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ
ترجمہ: آصف جاوید☆

رمضان المبارک! ......سوالوں کے جوابات

سوال جو شخص رمضان المبارک کا روزہ ترک کر دیتا ہے لیکن اس کے وجوب کا منکر نہیں ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ رمضان المبارک کی توہین نہیں؟

جواب

جو شخص جان بوجھ کر کسی شرعی عذر کے بغیر رمضان المبارک کے روزے ترک کر دیتا ہے، وہ دَر اصل ایک کبیرہ گناہ کا اِرتکاب کرتا ہے اور صحیح قول کے مطابق اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، اس شخص پر توبہ کے ساتھ قضا بھی لازم ہے۔ اس پر بے شمار دلائل ہیں کہ جب کوئی شخص محض سستی اور کاہلی کی وجہ سے روزہ چھوڑتا ہے اور اس کے وجوب کا انکار نہیں کرتا تو یہ فعل کفر اکبر نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص استطاعت کے باوجود زکوٰۃ نہیں دیتا یا حج اَدا نہیں کرتا وہ بھی کافر نہیں ہے کیونکہ وہ ان کے وجوب کا انکاری نہیں۔ ایسا شخص توبہ کرے گا اور تمام سالوں کی زکوٰۃ اَدا کرے گا اور حج بیت اللہ کرے گا۔

سوال جو شخص نماز نہ پڑھتا ہو، کیا اُس کا روزہ صحیح ہے؟

جواب

صحیح مؤقف یہی ہے کہ جان بوجھ کر نماز ترک کرنے والا کفر اکبر کا مرتکب ہوا ہے اور اُس کا کوئی عمل بھی قابل قبول نہیں حتیٰ کہ اللہ کے حضور توبہ کر لے، ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

« إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلٰوةِ » [صحیح مسلم: ۸۲]

☆ متعلم ثانیۃ کلیۃ القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ

''بے شک آدمی اور کفر وشرک کے درمیان حدِ فاصل ترکِ صلوٰۃ ہے۔''

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ [الأنعام: ۸۸]

''اگر وہ (اَنبیاء علیہم السلام بھی) شرک کریں تو ان کے تمام اعمال ضائع ہوجائیں گے۔''

اسی طرح نمازِ عصر کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ » [صحيح البخاري: ۵۵۳]

''جو شخص عصر کی نماز ترک کردے اُس کے تمام اَعمال ضائع ہوگئے۔''

اس معنی میں کئی آیات اور احادیث وارد ہیں، لیکن اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک تارکِ صلوٰۃ کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اس کے تمام اَعمال اور عبادات کو باطل کہا جائے گا کیونکہ وہ وجوبِ صلوٰۃ کا اقراری ہے، لیکن پہلا قول صحیح ہے۔

سوال جن علاقوں میں دِن ۲۱ گھنٹوں کا ہوتا ہے وہ کیا کریں گے؟ کیا وہ اپنے دن کا اندازہ لگائیں گے؟ اسی طرح جہاں دن بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے وہ کیا کریں گے؟ نیز جن کے ہاں چھ ماہ دن اور چھ ماہ رات رہتی ہے، اُن کا کیا حکم ہے؟

جواب

جن علاقوں میں دن رات ۲۴ گھنٹوں پر مشتمل ہوں وہ دن کا روزہ رکھیں گے خواہ دن بڑا ہو یا چھوٹا، اگرچہ دن بہت ہی چھوٹا کیوں نہ ہو یہ روزہ بحمد اللہ اس کو کافی ہے، لیکن جن کے ہاں دن اور رات اس سے بھی زیادہ لمبے ہوتے ہیں مثلاً چھ ماہ دن اور چھ ماہ رات، تو وہ نماز اور روزے کیلئے اَز خود اَندازہ لگائیں گے، جیسے رسول اللہ ﷺ نے دجال کے ایک دن، جو ایک سال کا ہوگا، کا اندازہ لگانے کا حکم اِرشاد فرمایا ہے۔ [صحيح مسلم: ۲۹۳۷]

سوال کیا اذان کی ابتدا ہی سے سحری کھانا بند کر دی جائے یا اذان کے آخر تک کھانے پینے کا جواز ہے؟

جواب

جب یہ بات معروف ہو کہ مؤذن عین صبح ہونے پر اذان کہتا ہے تو اس کی اذان کے ساتھ ہی کھانے پینے اور دیگر ممنوعاتِ روزہ سے رُک جانا چاہیے، لیکن اگر وہ اندازے اور گمان سے اذان دیتا ہے تو اذان کے دوران کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے: ''بلال (رضی اللہ عنہ) رات کو (تہجد کی) اذان کہتا ہے لٰہذا تم ابن اُمّ مکتوم (رضی اللہ عنہ) کی اذان تک کھاتے پیتے رہا کرو۔'' راوی کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا صحابی تھے، جب اُن سے کہا جاتا کہ صبح ہو گئی تب وہ اذان کہتے تھے۔ [صحيح البخاري: ٦١٧] لیکن ایک مسلمان کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ سحری کا وقت فجر سے پہلے کا ہے، احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اذان سے پہلے ہی کھانا پینا بند کر دیا جائے۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے: « دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَىٰ مَا لَا يُرِيبُكَ » [جامع الترمذي: ٢٥١٨، وقال: حديث حسن صحيح] ''شک والی شے کو چھوڑ کر یقینی چیز اختیار کرو۔'' نیز: « فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ » [صحيح البخاري: ٥٢] ''جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنا دین اور عزت محفوظ کر لی۔''

لیکن جب یہ معلوم ہو کہ مؤذن فجر سے کچھ دیر پہلے لوگوں کو تنبیہ کرنے کیلئے اذان کہتا ہے جیسے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے تو مذکورہ حدیث کی رُو سے اُس وقت تک کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک دیگر مؤذنین اذانِ فجر کہنا نہ شروع کر دیں۔

سوال روزہ دار کیلئے آنکھ، ناک اور کان کے قطروں اور دانتوں کی منجن کا کیا حکم ہے؟

جواب

صفائی کیلئے دانتوں کا معجون استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں اس کا حکم مسواک کا سا ہے لیکن روزہ دار کو حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے کہ کہیں پیٹ میں کچھ چلا نہ جائے، اگر اس کے باوجود بھی کوئی چیز غالب آجائے تو اُس پر کوئی قضا نہیں۔ اسی طرح آنکھ اور ناک کے قطروں سے بھی علما کے صحیح قول کے مطابق روزہ نہیں ٹوٹتا، اگر ان قطروں کا

ذائقہ حلق میں محسوس ہو تو احتیاطاً قضا دی جائے لیکن واجب نہیں ہے، کیونکہ آنکھ اور کان کھانے پینے کی راہ نہیں۔ جہاں تک ناک کے قطرے کی بات ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

« وَبَالِغْ فِي الِاسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا » [الترمذي: ٧٨٨، وقال: حسن صحيح]

''ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کرو الا یہ کہ تم روزے سے ہو۔''

جو شخص روزہ کی حالت میں ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کرتا ہے تو اس حدیث کی رو سے اس پر قضا ہے۔ حلق میں قطرے کا ذائقہ محسوس کرنا بھی اسی حکم میں ہے۔

سوال روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کا کیا حکم ہے اور کیا مسافر آدمی کیلئے جماع جائز ہے؟

جواب

جو شخص روزہ میں اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے اس پر کفارۂ ظہار واجب ہے جو ایک گردن آزاد کرنا، دو ماہ مسلسل روزے رکھنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، اس کے ساتھ وہ روزے کی قضا بھی دے گا اور جس کام کا وہ مرتکب ہوا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کرے گا، لیکن اگر وہ مریض یا مسافر ہے اور روزہ نہیں رکھا ہوا تو اس پر کوئی حرج ہے نہ کفارہ، کیونکہ اس کیلئے روزہ چھوڑنا اور جماع کرنا جائز ہے۔

سوال مسافر کیلئے روزہ رکھنا افضل ہے یا چھوڑنا، بالخصوص جب جہاز یا دیگر جدید ذرائع سفر میں انسان کو بالکل مشقت محسوس نہ ہوتی ہو؟

جواب

سفر میں روزہ چھوڑنا مطلقاً افضل ہے، تاہم جو شخص روزہ رکھتا ہے اس پر کوئی گناہ نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دونوں عمل ثابت ہیں، لیکن جب سخت گرمی میں مشقت زیادہ ہو تب مسافر کو روزہ چھوڑنے کی تاکید ہے اور روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس نے سفر میں روزہ رکھا ہوا تھا اور لوگ شدتِ گرمی کی وجہ سے اس پر سایہ کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: « لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ » [صحيح البخاري: ١٩٤٦] ''سفر میں روزہ رکھنا نیکی کا کام نہیں ہے۔'' یہ حدیثِ مبارکہ بھی ثابت ہے: « إِنَّ اللهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَىٰ رُخَصُهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تُؤْتَىٰ مَعْصِيَتُهُ » [مسند أحمد: ٥٨٣٩] ''جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی معصیت کو ناپسند فرماتا ہے اسی طرح وہ پسند کرتا ہے کہ اس کی رُخصتوں پر عمل کیا جائے۔'' ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں: جس طرح اللہ تعالیٰ عزیمت پر عمل کرنے کو پسند فرماتا ہے اسی طرح وہ یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر بھی عمل کیا جائے۔'' چونکہ سفر کا اطلاق تمام ذرائع پر ہوتا ہے اور گاڑیوں، جہازوں، گھوڑوں اور کشتیوں میں سفر کرنے والوں کے مابین کوئی فرق نہیں ہے، لہٰذا ان رُخصتوں پر عمل کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے احکام ومسائل بیان فرما دیئے ہیں، وہ اس بات کو خوب جانتا تھا کہ حالات ومسائل میں کیا تبدیلی آنی ہے؟ اور اگر کوئی مختلف حکم ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے ضرور متنبہ فرما دیتے۔

ارشادِ باری ہے: ﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ [النّحل: ٩٠]

''اور ہم نے آپ (ﷺ) پر یہ کتاب نازِل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾ [النّحل: ٨]

''اور گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو اس نے پیدا کیا کہ تم ان پر سواری کرو اور وہ باعثِ زینت بھی ہیں اور بھی وہ ایسی بہت چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم بھی نہیں۔''

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے کہ جب رمضان آیا تو وہ مریض تھا اور رمضان گزرنے کے بعد وفات پا گیا، اس کی طرف سے قضا ہو گی یا کفارہ؟

جواب

جب کوئی مسلمان رمضان کے بعد وفات پا جائے تو اس پر قضا ہے نہ کفارہ، کیونکہ وہ

شرعاً معذور ہے۔ اسی طرح جو مسافر سفر کے دوران یا گھر آتے ہی وفات پا جائے اس پر بھی کوئی قضا اور کفارہ نہیں ہے کیونکہ وہ بھی مکلّف نہیں تھا۔ لیکن جو شخص شفایابی یا سفر سے واپسی کے بعد سستی کرتا ہے اور قضا سے پہلے ہی فوت ہو جاتا ہے تو شرعی اعتبار سے رشتہ داروں پر اس کی طرف سے قضا فرض ہے، فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

« مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ » [صحيح البخاري: ۱۹۵۲]

''جو شخص مر جائے اور اس پر روزے ہوں تو ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔''

اور اگر کوئی ایسا رشتہ دار میسر نہ ہو جو اس کی طرف سے روزے رکھے تو میت کے ترکہ سے ہر دِن کے عوض ایک مسکین کو نصف صاع کھانا دیا جائے گا جس کی مقدار تقریباً ڈیڑھ کلوگرام بنتی ہے۔ اور اگر اس نے کوئی مال بھی نہیں چھوڑا، جس سے مسکین کو کھانا لے کر دیا جاسکے تو اس صورت میں اُس پر کچھ بھی نہیں ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ [البقرة: ۲۸۶]

''اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں ٹھہراتا۔''

نیز فرمایا: ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ [التغابن: ۱۶]

''پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔''

سوال اگر حائضہ عورت رمضان کے دِن کے درمیان پاک ہو تو کیا کرے گی؟

جواب

علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے صحیح قول کے مطابق باقی ماندہ دِن میں اُسے، عذرِ شرعی زائل ہونے کی وجہ سے، رُکے رہنا چاہئے اور بعد میں اس دِن کے روزے کی قضا دینی چاہئے، جیسا کہ اگر دِن کو رمضان کا چاند نظر آ جائے تو مسلمان باقی دِن کھانے پینے سے رُکے رہیں گے اور جمہور اہلِ علم کے مطابق اس دن کی قضا دیں گے۔ اسی طرح اگر کوئی مسافر دِن کے دوران اپنے گھر پہنچے تو صحیح قول کے مطابق، زوالِ سفر کی وجہ سے، وہ دِن کا باقی حصہ رُکا رہے گا اور اس دِن کی بعد میں قضا دے گا۔

سوال حاملہ اور مُرضِعہ کیلئے روزہ چھوڑنا مباح ہے؟ اور اس پر قضا ہے یا کفارہ؟

جواب

حاملہ اور مُرضعہ مریض کے حکم میں ہیں، جب مشقت محسوس ہو تو اُن کیلئے روزہ چھوڑنا جائز ہے اور جب یہ قادِر ہو جائیں تو مریض کی مانند ان پر قضا ہے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اِن پر کفارہ لازم ہے اور ایک دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانا چاہیے، لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ درُست بات یہی ہے کہ ان پر مسافر اور مریض کی مثل قضا ہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ [البقرة:۱۸۴]

اس کے علاوہ سیدنا اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ الصَّوْمَ وَشَطْرَ الصَّلَاةِ وَعَنِ الْحَامِلِ أَوِ الْمُرْضِعِ الصِّيَامَ » [جامع الترمذي: ۷۱۵، وقال: حديث حسن]

''اللہ نے مسافر سے روزہ اور آدھی نماز، جبکہ حاملہ اور مرضعہ سے روزہ اُٹھا لیا ہے۔''

سوال بعض عورتیں رمضان میں مانع حیض ادویات استعمال کرتی ہیں تاکہ ایامِ ماہواری میں رہ جانے والے روزوں کی بعد میں قضا نہ دینا پڑے، کیا یہ جائز ہے؟

جواب

میرے خیال میں عورتوں کو ایسا نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بناتِ آدم کو اسی فطرت پر پیدا فرمایا ہے۔ ایامِ ماہواری میں اللہ تعالیٰ نے عورت کی طبیعت کے موافق کئی ایک حکمتیں رکھی ہیں، عین ممکن ہے کہ اس کو غیر فطری طور پر روکنے سے عورت کے جسم پر منفی اَثرات پڑیں اور یہ فعل رحمِ مادِر کیلئے نقصان دہ ثابت ہو، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: « لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ » [مسند أحمد: ۲۸۶۲، ابن ماجه: ۲۳۴۱] لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ عورتیں مانع حیض اَدویات استعمال نہ کریں اور ایامِ مخصوصہ میں نماز اور روزہ سے رُکی

رہیں اور رَمضان کے بعد جب پاک ہو جائیں تو رہ جانے والے روزوں کی قضا دیں۔

سوال: اگر کسی عورت نے رمضان المبارک سے ہفتہ عشرہ قبل بچہ جنم دیا ہو اور وہ چالیس دن مکمل ہونے سے پہلے، رمضان ہی میں پاک ہوجائے تو کیا اُس پر روزہ رکھنا واجب ہے؟

جواب

ہاں، جب نفاس والی عورت پاک ہو جائے تو وہ روزہ رکھے گی اگرچہ علاماتِ طہر وِلادت کے ایک دِن بعد ہی کیوں نہ ظاہر ہو جائیں، کیونکہ نفاس کی کم ترین مدت کی کوئی تعیین نہیں، حتیٰ کہ بعض عورتوں کو ولادت کے بعد سرے سے خون آتا ہی نہیں۔ نفاس میں چالیس دن کوئی شرط نہیں ہے اور جب یہ خون چالیس دِن سے متجاوز ہو جائے اور رنگ میں بھی کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی ہو تو اس کو خونِ نفاس ہی سے تعبیر کیا جائے گا، جس کی وجہ سے عورت نماز اور روزہ چھوڑ دے گی۔

سوال: حیض یا نفاس والی عورت اگر قضا کو دوسرے رمضان تک مؤخر کر دے تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب

حیض یا نفاس والی عورت پر ان دِنوں میں نہ نماز ہے نہ روزہ، لیکن بعد میں وہ روزے کی قضا دے گی جبکہ نماز اس کو معاف ہے۔ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا: کیا حائضہ عورت نماز اور روزے کی قضا دے گی؟ فرمایا: ''ہمیں روزے کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا، نماز کی قضا کا نہیں۔'' [جامع الترمذي: ۷۸۷، وقال: حديث حسن] اس پر علمائے کرام کا اجماع ہے کہ حیض اور نفاس والی عورت نماز کی قضا نہیں دے گی جبکہ روزے کی قضا اس پر واجب ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور آسانی ہے کیونکہ نماز دن میں پانچ مرتبہ آتی ہے اور اس کی قضا میں بہت مشقت ہے، لیکن روزہ تو سال میں

ایک مرتبہ ماہِ رمضان میں ہی فرض ہے جس کی قضا میں مشقت نہیں ہے۔ روزوں کو آئندہ رمضان تک کسی شرعی عذر کے بغیر مؤخر کرنے والی عورت کو اللہ کے حضور توبہ کرنی چاہئے، اس کے ساتھ ساتھ وہ قضا بھی دے گی اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا بھی کھلائے گی۔ ہر وہ مریض اور مسافر جو کسی شرعی عذر کے بغیر آئندہ رمضان تک قضا نہ دے سکے اُس پر بھی توبہ، قضا اور ہر روزے کے عوض ایک مسکین کا کھانا ہے، لیکن اگر بیماری یا سفر آئندہ رمضان تک طویل ہو جائے تو تندرست ہونے اور سفر سے واپس آنے پر صرف قضا ہوگی، کھانا نہیں۔

سوال کیا بحالتِ وضو اور دورانِ روزہ بالوں کو مہندی لگانا جائز ہے، سنا ہے کہ مہندی سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب

یہ بات درست نہیں، مہندی روزہ توڑتی ہے نہ اس پر کسی طرح اَثر اَنداز ہوتی ہے۔ یہ ناک اور کان کے قطروں کی مثل ہے جن سے روزہ دار کو نقصان پہنچتا ہے اور نہ ہی اِس کا روزہ ٹوٹتا ہے۔ جہاں تک وضو کی حالت میں مہندی لگانے کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مہندی صحتِ وضو میں رُکاوٹ نہیں ہے کیونکہ اس کا وجود نہیں ہوتا جو پانی کو روَکتا ہو بلکہ یہ تو فقط رنگ کا نام ہے، لیکن صحتِ وضو سے مانع وہ مہندی ہوتی ہے جس کا وجود بھی ہو اور جو پانی کو آگے پہنچنے میں رُکاوٹ بھی ہو، ایسی مہندی کا اُتارنا لازِم ہے تاکہ وضو درست ہو جائے۔

سوال کیا رمضان المبارک میں قیام اللیل کی کوئی متعین تعداد ہے؟

جواب

قیامِ رمضان کی ایسی کوئی متعین تعداد نہیں ہے جس پر عمل کرنا واجب ہو، اگر کوئی شخص تمام رات قیام کرتا ہے یا بیس رکعات یا پچاس رکعات تو اِس میں کوئی حرج نہیں، لیکن

اَفضل تعداد وہی ہے جس پر رسولِ کریمﷺ کا عمل تھا اور وہ ۱۱ یا ۱۳ رکعات ہیں۔ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہﷺ رمضان میں کیسے نماز پڑھتے تھے؟ فرمایا: ''آپﷺ رمضان یا غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے......'' [صحيح البخاري: ۱۱۴۷] تاہم ایک بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ یہ قیام یا رکعات مسنون طریقے پر ہونی چاہئیں، قراءت اور قیام کو طویل کرنا بہتر ہے۔ اسی طرح رکوع کرنا، رکوع کے بعد کھڑے ہونا اور دونوں سجدوں کے درمیان ٹھہراؤ ہونا چاہئے، لیکن آج کل بعض اِمام انتہائی تیز رفتاری سے نماز پڑھاتے ہیں اور نمازی اگر چاہیں بھی تو نماز کو لمبا نہیں کر سکتے۔ واضح رہے کہ امامت ایک ولایت ہے اور والی کو وہ کام کرنا چاہیے جو زیادہ دُرست اور فائدہ مند ہو۔ امام ہونا باعثِ ملامت نہیں لہٰذا اسے قیام، قعود اور رکوع و سجود کو وارِد شدہ اَحادیث کے مطابق لمبا کرنا چاہیے جن میں دُعا، قراءت اور تسبیح کثرت سے ہو۔

سوال کیا نمازِ تراویح کو وِتر کے ساتھ ایک سلام میں جمع کیا جا سکتا ہے؟

جواب

اس عمل سے نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:

« صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنَىٰ مَثْنَىٰ » [صحيح البخاري: ۹۹۱]

''رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں۔''

اور جب ان کو ایک ہی سلام کے ساتھ جمع کیا جائے گا تو یہ دو دو رکعتیں نہ رہیں گی اور یہ رسول اللہﷺ کے فرمان کے خلاف ہو کر مردود قرار پائے گی، ارشادِ نبویﷺ ہے:

« مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ » [صحيح مسلم: ۱۷۱۸]

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں، وہ کام مردود ہے۔''

اِمام اَحمد رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ جو شخص رات کی نماز میں تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہوتا ہے گویا وہ نمازِ فجر کی تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہوتا ہے، یعنی اگر وہ یاد آنے کے باوجود نماز کو جاری رکھتا ہے تو اس کا یہ عمل باطل ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے نمازِ فجر میں تیسری

رکعت جان بوجھ کر پڑھ لی ہو، اِمام موصوف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہو اور اس کو بعد میں یاد آئے تو وہ بیٹھ جائے اور تشہد پڑھ کر سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کی نماز باطل ہے۔

بعض حضرات کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث: يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ سمجھنے میں غلطی لگی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ، دوسری چار رکعتیں دوسرے سلام کے ساتھ اور باقی تین رکعتیں تیسرے سلام کے ساتھ پڑھتے تھے حالانکہ یہ مفہوم احتمالی ہے، عین ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعتیں دو سلاموں کے ساتھ پڑھتے ہوں پھر آرام و نشاط کیلئے بیٹھ جاتے ہوں اور پھر چار رکعتیں دو سلاموں کے ساتھ اَدا کرتے ہوں، یہ احتمال اقرب ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو دو رکعتیں علیحدہ علیحدہ سلام کے ساتھ پڑھتے تھے اور چار رکعتوں کے بعد استراحت کیلئے بیٹھ جاتے تھے، اس مفہوم کی تائید « صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى » کی حدیثِ مذکور سے بھی ہوتی ہے اور اس طرح قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فعلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے، جبکہ چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھنے والا مفہوم حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے۔

جہاں تک نمازِ وتر کا تعلق ہے، اگر یہ تین رکعت اَدا کی جائے تو اس کی دو صورتیں ہوں گی: ① دو رکعت کے بعد ایک سلام اور تیسری رکعت کیلئے دوسرا سلام ہو۔ ② وِتر کی تینوں رکعتیں ایک تشہد اور ایک سلام کے ساتھ پڑھی جائیں۔

سوال عورت اور مرد کیلئے اعتکاف کا کیا حکم ہے؟ کیا اعتکاف کیلئے روزہ شرط ہے؟ اعتکاف کیلئے کب داخل ہونا اور کب نکلنا چاہیے؟

جواب

اعتکاف کرنا مردوں اور عورتوں کیلئے سنتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرے میں خود بھی اعتکاف کیا کرتے تھے اور اپنی بیویوں کو بھی اعتکاف کرواتے تھے۔ اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن وفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی

اعتکاف کیا کرتی تھیں۔ اعتکاف اس مسجد میں ہونا چاہیے جہاں نماز باجماعت کا اہتمام ہو۔ اگر جمعہ کیلئے اس کے اعتکاف میں خلل واقع ہوتا ہو تو جامع مسجد میں اعتکاف کرنا اَفضل ہے۔

اعتکاف کیلئے کوئی محدود وقت متعین نہیں اور نہ ہی اس کیلئے روزہ شرط ہے، ہاں اگر روزہ بھی ہو تو یہ بہتر ہے۔ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا زیادہ پسندیدہ ہے۔ اکیسویں رمضان کو نمازِ فجر کے بعد اعتکاف گاہ میں داخل ہونا سنت ہے اور جب عشرہ ختم ہوگا تب نکلا جائے گا۔ بوقتِ ضرورت درمیان میں اعتکاف ختم کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ اگر اعتکاف کی نذر مانی ہو تو اعتکاف درمیان میں ختم نہیں کیا جا سکتا۔

اعتکاف کیلئے مسجد میں کوئی خاص جگہ کا تعین کر لینا مستحسن اَمر ہے تاکہ بوقتِ ضرورت آرام کیا جاسکے۔ مُعتکِف کو زیادہ سے زیادہ ذکر، تلاوت، دُعا و اِستغفار اور نماز میں مصروف رہنا چاہیے لیکن ممنوع اور مکروہ اوقات میں نماز اَدا کرنے سے احتراز کرے۔ کسی دوست سے ملاقات یا اس سے بات چیت میں کوئی عیب نہیں کیونکہ ایک دفعہ اُم المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعتکاف کے دوران مسجد میں ملاقات کی تھی اور جب وہ جانے لگیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے دروازے تک اُن کو رخصت کرنے کیلئے گئے۔ [صحیح البخاري: ۲۰۳۵] اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ملاقات میں کوئی حرج نہیں ہے، نیز یہ عمل بیویوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ تواضع، حسنِ سیرت اور خلقِ کریمانہ پر بھی دلالت کرتا ہے۔

سوال بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دعائے ختم قرآن بدعت ہے؟

جواب

میرے علم کی حد تک دُعائے ختم قرآن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی دلیل ثابت نہیں ہے جو قابلِ اعتماد ہو، ہاں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا عمل یہ تھا کہ جب وہ قرآنِ کریم مکمل کرتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دُعا فرماتے

تھے لیکن یہ دُعا بھی وہ نماز میں نہ کرتے تھے۔ نماز میں کسی جگہ کوئی ایسی دُعا نہیں مانگنا چاہیے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ ہو۔ فرمانِ رسول ﷺ ہے:

« صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي » [صحيح البخاري: ٦٣١]

''بالکل ایسے نماز پڑھو جیسے تم مجھے پڑھتا دیکھتے ہو۔''

لیکن جہاں تک اختتامِ قرآن کی اس دُعا پر بدعت کے اِطلاق کا معاملہ ہے، میں اس سے متفق نہیں ہوں کیونکہ علمائے اہل سنت کے اس بارے میں مختلف اَقوال ہیں، لہٰذا ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ جن علما نے اسے مستحب قرار دیا ہے ہم انہیں برا بھلا کہیں، لیکن انسان کو اتباعِ سنت کا زیادہ حریص ہونا چاہیے۔ یہاں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے بعض بھائی اتباعِ سنت میں یہ کام کرتے ہیں کہ وہ اِمام کے پیچھے تمام نماز پڑھتے رہتے ہیں اور آخری رکعت پر صرف اس وجہ سے الگ ہو جاتے ہیں کہ یہ عمل بدعت ہے حالانکہ یہ طریق کار درست نہیں ہے، کیونکہ اس سے دِلوں میں نفرت جنم لیتی ہے، علاوہ اَزیں یہ ائمہ کرام کے بھی خلاف ہے، امام اَحمد رحمہ اللہ نمازِ فجر میں دُعائے قنوت کو پسندیدہ نہیں سمجھتے تھے اس کے باوجود وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی اِمام نمازِ فجر میں دُعائے قنوت مانگے تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو اور اس کی دُعا پر آمین کہا کرو۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ ہمارے بعض بھائی جب کسی ایسے اِمام کے پیچھے نمازِ تراویح اَدا کراتے ہیں جو گیارہ یا تیرہ رکعتوں سے زیادہ پڑھاتا ہے تو وہ مطلوبہ رکعات پڑھنے کے بعد چلے جاتے ہیں، یہ عمل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بالکل خلاف ہے۔ سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت پڑھنا شروع کیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نکیر کرنے کے باوجود ان کی اقتدا میں چار رکعت مکمل نماز پڑھتے تھے، حالانکہ یہ بات بھی واضح ہے کہ قصر نماز کو مکمل پڑھنا، تیرہ رکعت سے زیادہ تراویح پڑھنے کی نسبت کہیں زیادہ سنت کی مخالفت ہے، اس کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے الگ نہ ہوئے تھے اور ان کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے کو ترک نہیں کیا تھا۔ بلاشبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہم سے کہیں زیادہ سنت کے حریص تھے اور تقاضائے شریعت پر ہم سے زیادہ تمسک کرنے والے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق کی اتباع اور باطل سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!